ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

ہادیہ سحر
پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر نائیلہ انجم
اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

معاشی ناہمواریاں اور زمین کا مستقبل: عصرِ حاضر کی شاعری کے تناظر میں

Hadia Sehar*
PhD Scholar, Lahore College For Women University.
Dr. Naila Anjum
Assistant Professor, Lahore College for Women University
***Corresponding Author:**

Economic Inequalities and the Future of the Earth: A Study in the Context of Contemporary Poetry

This article explores the interconnected themes of economic inequality and the future of the Earth through the lens of Urdu poetry. It examines how Urdu poets have expressed concerns about social injustice, unequal distribution of wealth, environmental degradation, and the growing crisis of human exploitation of natural resources. The study argues that Urdu poetry is not merely a medium of aesthetic expression but also a powerful voice of social and ecological consciousness. By analyzing selected poetic works, the article highlights the relationship between economic disparities, environmental imbalance and the ethical responsibilities of humanity. It further demonstrates that Urdu poets have consistently emphasized values such as justice, equality, compassion and harmony with nature as essential foundations for a sustainable future. The research concludes that Urdu poetry offers valuable insights into contemporary global challenges and encourages a balanced approach to economic development and environmental preservation.

Key Words: *Economic Inequality, Environmental Imbalance, Social Justice, Ecological consciousness, Sustainability.*

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

معاشرہ یا سماج (Society) اپنی ساخت میں ایک ایسا زندہ اور حساس نظام ہے جو فرد کے شعور، ثقافت، معیشت اور ماحول کے اشتراک سے تشکیل پاتا ہے۔ اس کی بنیاد صرف انسانی باہمی تعلقات پر نہیں بلکہ ان تعلقات کے پسِ منظر میں کارفرما معاشی، تہذیبی، ماحولیاتی اور سیاسی و سماجی عوامل پر بھی استوار ہوتی ہے۔ معیشت کسی بھی معاشرے کا وہ ستون ہے جو زمین سے وابستہ پیداوار، محنت کی قیمت، وسائل کی تقسیم اور انسانی فلاح و بہبود کے پیمانے متعین کرتی ہے۔ جب یہی معیشت ناہموار ہو جائے تو صرف بازار ہی میں توازن نہیں بگڑتا بلکہ زمین کی کوکھ بھی خشک ہونے لگتی ہے۔ ثقافت کا تسلسل متاثر ہوتا ہے، انسان کا اجتماعی شعور بے چینی، بے یقینی اور اِضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے استحکام نے عالمی سطح پر معیشت کو ایک غیر منصفانہ ڈھانچے میں بدل دیا ہے۔ جس میں دولت کے مراکز محدود ہاتھوں میں مرکوز ہونے کے ساتھ عوامی طبقہ مہنگائی، بے روزگاری اور معاشی جبر کی زَد میں آ گیا ہے۔ زمین جو کبھی زرخیزی، سکون، فطرت اور بقا کا استعارہ تھی، اب بے رحم صنعتی ترقی، کیمیائی زہر، زرعی انحطاط کی زَد میں آ کر پیاسی، اُجڑی اور بے کس نظر آتی ہے۔ بنجر زمین اور سسکتی زراعت صرف ایک سائنسی یا اقتصادی مسئلہ نہیں رہی بلکہ ایک تہذیبی بحران بن چکی ہے۔

اُردو شاعری ابتدا ہی سے انسانی جذبات، سماجی رویّوں اور فکری تجربات کی عکاس رہی ہے مگر اس کی ایک نہایت اہم اور گہری جہت ماحول سے تعلق رکھتی ہے۔ ماحول یعنی فطرت، زمین، موسم، فضا اور قدرتی مناظر اردو شاعری میں محض پس منظر کے طور پر نہیں آتا بلکہ ایک جیتے جاگتے کردار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ شاعر جب چاند، دریا، باغ، بارش یا ہوا کا ذکر کرتا ہے تو وہ دراصل انسانی احساسات کو فطرت کی زبان عطا کر رہا ہوتا ہے۔ یوں ماحول شاعری میں حسن، معنویت اور تاثیر پیدا کرنے کا بنیادی وسیلہ بن جاتا ہے۔ قدیم اردو شاعری میں ماحول کے ساتھ ایک فطری قربت کا احساس ملتا ہے۔ اس زمانے میں صنعتی آلودگی، ماحولیاتی بحران یا قدرتی وسائل کی تباہی جیسے مسائل نمایاں نہ تھے۔ اس لیے شاعر فطرت کو ایک مہربان، فیاض اور حسن سے بھرپور قوت کے طور پر دیکھتا ہے۔ بارش رحمت بن کر برستی ہے، رات سکون اور تفکر کا وقت بن جاتی ہے جب کہ صبح نئی امید کا پیغام لاتی ہے۔ ماحول شاعر کے لیے نہ خوف کی علامت ہے نہ ہی احتجاج کا موضوع ہے بلکہ شکر، تسلیم اور جمال کا مظہر ہے۔

اردو کا اَدبی سرمایہ فطری جمال کا بہترین عکاس ہے۔ کلاسیکی اردو شاعری میں فطرت اور ماحول حسن و لطافت کے ایسے پیکر ہیں جو شاعر کے تخیل کو وسعت عطا کرتے ہیں۔ باغ، بہار، گل و بلبل، چاند اور ستارے محض مناظر نہیں بلکہ جذبے اور احساس کے استعارے ہیں جب کہ خزاں زوال، جدائی اور محرومی کا استعارہ ہے۔ رات

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2
ماخذ تحقیقی مجلہ

تنہائی، تفکر اور راز داری کی علامت بنتی ہے اور صبح امید اور بیداری کا پیغام دیتی ہے۔ اسی طرح دریا وسعتِ فکر، آنسو یا وقت کے بہاؤ کی علامت بن جاتا ہے اور صحرا تنہائی اور روحانی آزمائش کی تصویر پیش کرتا ہے۔ شاعر فطرت کی رنگا رنگی میں محبوب کا چہرہ دیکھتا ہے اور موسموں کی تبدیلی میں دل کی کیفیات تلاش کرتا ہے۔ شاعری میں ماحول پر سکون، متوازن اور ہم آہنگ نظر آتا ہے، جیسے انسان اور فطرت کے درمیان کوئی فاصلہ ہی نہ ہو۔ یہ سب مناظر شاعر کے باطن کی کیفیات کو آواز دیتے ہیں۔ فطرت کبھی محبوب کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی انسان کے دکھوں کی امین بن جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں فطرت ایک مہربان ہم سفر کی طرح جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ عناصر قاری کو حسن اور لطافت کی ایک ایسی دنیا میں لے جاتے ہیں جہاں زندگی کے کَرب بھی خوشبو میں ڈھل جاتے ہیں۔ شاعر فطرت کے حسن کے ذریعے اپنے کلام میں نرمی، موسیقیت اور تاثیر پیدا کرتا ہے۔ اس عہد کی شاعری میں ماحول پر کوئی اضطراب یا خوف نہیں بلکہ ایک فطری تسلیم و رضا کا جذبہ ملتا ہے، جو زندگی کے حسن کو سادگی اور وقار کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں ماحول کا تصور بھی بدلتا گیا۔ انسان اور فطرت کے تعلق میں بھی دراڑیں پڑتی گئیں۔ صنعتی ترقی، شہری زندگی، مشینی تہذیب اور مادی دوڑ نے ماحول کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس تبدیلی کا اثر اردو شاعری پر بھی پڑا۔ جہاں کلاسیکی شاعری فطرت رومان اور جمالیات کا سرچشمہ تھی وہیں جدید شاعری میں یہی ماحول آلودگی، کٹتے جنگلات اور بے جان شہروں کی صورت ایک سوال بن کر سامنے آتا ہے۔ جدید اردو شاعری میں ماحول اب صرف حسن کا استعارہ نہیں رہا بلکہ ایک مسئلہ، ایک سوال اور ایک چیلنج بن کر سامنے آیا۔ آلودہ فضا، شور زدہ شہر، کٹتے جنگلات اور سوکھتے دریا شاعر کے دل میں اضطراب پیدا کرتے ہیں اور یہی اضطراب لفظوں میں ڈھل کر ایک نئے شعور کو جنم دیتا ہے۔ شاعر اب صرف مناظر کی تعریف نہیں کرتا بلکہ انسان اور فطرت کے بگڑتے ہوئے رشتے پر نوحہ بھی لکھتا ہے۔ اس طرح اردو شاعری ماحول کی حفاظت کا ایک خاموش مگر مؤثر پیغام بن جاتی ہے جو دل کو چھوتی اور شعور کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔ مثلاً:

گھروں کے نام پر روندے گئے ہرے منظر
شجر گرائے گئے اور پہاڑ اڑائے گئے (۱)

سڑکیں تو ہوگئی ہیں کشادہ بہت مگر
کتنے درخت قتل ہوئے، یہ نہ پوچھیے (۲)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

درخت صدیوں سے انسان کے ہم سفر ہونے کے ساتھ ہمیشہ زندگی، استقامت اور خاموش خدمت کی علامت رہے ہیں۔ یہ کبھی سایہ بنتے ہیں تو کبھی سانس اور کبھی دعا کی طرح خاموشی سے ہمارے وجود کو سہارا دیتے ہیں۔ جب کلہاڑی درخت کے تنے پر پڑتی ہے تو صرف لکڑی نہیں گرتی بلکہ اس کے ساتھ پرندوں کے گھونسلے، ہواؤں کی سرگوشیاں اور زمین کی نمی بھی لہولہان ہو جاتی ہے۔ شاعری میں شجر کبھی ماں کے سائے کی طرح پناہ دیتا ہے، کبھی صبر کی علامت بن کر کھڑا رہتا ہے اور کبھی وقت کے ظلم سہتا ہوا بھی سبز رہنے کی ضد سکھاتا ہے۔ مگر جب یہی درخت کٹتے ہیں تو ادب کا لہجہ نوحہ بن جاتا ہے۔ درختوں کی کٹائی کا دکھ اس لیے بھی گہرا ہے کہ درخت احتجاج نہیں کرتے۔ وہ چیختے نہیں نہ ہی شکوہ کرتے ہیں یہ تو بس خاموشی سے گر جاتے ہیں۔ یہی خاموشی ادیب اور شاعر کو بے چین کرتی ہے۔ وہ لفظوں کے ذریعے اس خاموش چیخ کو آواز دیتا ہے تاکہ انسان سن سکے کہ زمین کس قدر زخمی ہے۔ شاعر محسوس کرتا ہے کہ اب سایہ نہیں رہا اور دھوپ صرف جسم کو ہی نہیں بلکہ روح کو بھی جلا رہی ہے۔ جنگلات کی کٹائی ادب میں صرف ایک ماحولیاتی مسئلہ نہیں بلکہ ایک اخلاقی سانحہ بن کر ابھرتی ہے۔ شعری مثال دیکھیے:

سڑک شاید کشادہ ہو رہی ہے
شجر بے موت مارے جا رہے ہیں (۳)

اسی حوالے سے روش ندیم کی نظم "ایک خط——پرندوں کے نام" سے مثال ملاحظہ فرمائیے:

سنو یارو!
ابھی کل تک
یہی انساں ہرے پیڑوں کی شاخوں پر
اچھلتا کودتا جیون بتاتا تھا
مگر جب اس نے اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہونے کا فن سیکھا
تو اپنے ہاتھوں میں کلہاڑیاں لے لیں
سنا ہے اب وہ اپنے معبودوں کو کاٹ کر بندوق کے دستے بناتا ہے (۴)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2
ماخذ تحقیقی مجلہ

ترقی کے نام پر سڑکیں بنیں، شہر پھیلے، صنعتیں اُبھریں مگر ان سب کی بنیاد میں درختوں کی لاشیں بچھتی چلی گئیں۔ جنگلات جو کبھی بارشوں کو روکتے، زمین کو تھامتے اور موسموں کو معتدل رکھتے تھے وہی جنگلات آج ویرانی میں بدل رہے ہیں۔ جب درخت کٹتے ہیں تو بارش بے رحم ہو جاتی ہے، دریا بپھر جاتے ہیں اور زمین اپنی زرخیزی کھو بیٹھتی ہے۔ یہ سب کچھ ایک لمحے میں نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ ایسے ختم ہوتا ہے جیسے کوئی زخم اندر ہی اندر ناسور بنتا جائے۔ شعری مثالیں دیکھیے:

تو جو کرتا ہے خریدی ہوئی چڑیاں آزاد
یہ تو کفارہ نہیں پیڑ کی بربادی کا (۵)

بے شجر سڑکوں پہ پولیتھین کے خالی لفافے سرسراتے ہیں
خود اپنے موسموں کا خون پی کر
لوگ جرثوموں کی صورت پل رہے ہیں (۶)

گلوبل وارمنگ ہمارے عہد کا وہ خاموش مگر ہولناک المیہ ہے جو آہستہ آہستہ زمین کی سانسیں چھین رہا ہے۔ یہ محض درجۂ حرارت میں اضافے کا سائنسی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی طرزِ فکر، بے اعتدالی اور فطرت سے بے وفائی کی داستان ہے۔ صدیوں تک زمین نے انسان کے بوجھ کو برداشت کیا۔ اس کے گناہوں کو موسموں کی اوٹ میں چھپایا اور اس کی غلطیوں کو سبزہ اور بارش سے ڈھانپتی رہی مگر اب یہ پردے ہٹ رہے ہیں۔ سورج کی تپش تیز ہو چکی ہے، ہوائیں بے ترتیب ہو گئی ہیں اور موسم اپنی پہچان کھو بیٹھے ہیں۔ شاعر اس منظرنامے کو محض اعداد و شمار میں نہیں دیکھتا بلکہ آنسوؤں، اُجڑی ہوئی بستیوں اور بے گھر انسانوں کے چہروں میں پڑھتا ہے۔ جب جنگل آگ کی لپیٹ میں آتے ہیں تو وہ محض درختوں کا جلنا نہیں ہوتا بلکہ زمین کی یادداشت کا راکھ میں بدل جانا ہوتا ہے۔ گلوبل وارمنگ نے موسموں کی شاعری چھین لی ہے۔ بہار اب اپنے وقت پر نہیں آتی، خزاں بلا سبب ٹھہر جاتی ہے اور گرمی اپنی حدیں توڑ دیتی ہے۔ یہ بے ترتیبی دراصل انسان کے اندر کی بے ترتیبی کی علامت ہے۔ قدرتی آفات اب صرف جغرافیائی حادثے نہیں رہے بلکہ اخلاقی فیصلے بن چکے ہیں۔ مثلاً:

سر پر دھوئیں کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو
آلودگی کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2
ماخذ تحقیقی مجلہ

اک دوسرے کو اب کوئی پہچانتا نہیں
گرد و غبارِ شہر ہے اور ہم ہیں دوستو (۷)

اسی حوالے سے نصیر احمد ناصر کی نظم "بصارت کا قحط" سے مثال دیکھیے:

زمیں زادے!
تجھے تو کچھ دکھائی بھی نہیں دیتا
سقاوہ کب سے خالی ہے
نہ اُوپر اَبرِ باراں ہے
نہ اَب زیرِ زمیں
آبِ بقا ہے
عالم فُطرات غائب ہے
نباتاتی تبسّم کھو گیا ہے
تابکاری خواہشوں کا بول بالا ہے
رگوں میں ریگ ماہی' سانپ بچھو رینگتے ہیں (۸)

گلیشئرز صدیوں سے زمین کے ذخیرے ہیں۔ برف کی ان تہوں میں وقت کی داستان چھپی ہے اور یہ انسان، پانی اور زمین کے توازن کے لیے ناگزیر ہیں مگر جب گلوبل وارمنگ کے اثرات انھیں تیز رفتاری سے پگھلا دیتے ہیں تو یہ طاقتور ذخائر سیلاب کی شکل میں انسان کے سامنے آ جاتے ہیں۔ دریاؤں میں پانی کی سطح بڑھ جاتی ہے۔ کھیت اور بستیاں پانی میں ڈوب جاتی ہیں اور زمین کی خاموشی انسانی بے بسی کے شور میں بدل جاتی ہے۔ کھیت بہہ جاتے ہیں، فصلیں ضائع ہو جاتی ہیں اور کسان کی محنت پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے۔ گلیشئرز کی پگھلتی برف دریاؤں کو لبریز کر دیتی ہے اور ایک لمحے میں زندگی کے تمام نظام متاثر ہو جاتے ہیں۔ ایک شاعر اس منظر کو انسانی درد، بے بسی اور فطرت کی طاقت کے آئینے میں دیکھتا ہے۔ سیلاب صرف پانی کا بہاؤ نہیں بلکہ انسانی جذبات، خوف اور مستقبل کی غیر یقینی صورتحال کی تصویر بھی ہے۔ گلیشئرز کا پگھلنا سیلابی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ سیلابی ریلا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ زمین کا توازن نازک ہے اور انسان کی سرگرمیاں اس کے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہیں۔ گلیشئرز کے پگھلنے کی شدت میں اضافہ انسانی ماحول، معیشت اور سماج پر فوری اور طویل مدتی اثرات مرتب کرتا ہے۔ سیلاب کے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

بعد نہ صرف زمین کی زرخیزی متاثر ہوتی ہے بلکہ معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ بھی لرز جاتا ہے۔ شعری مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

رفتار ہے سیلاب کی آندھی کی طرح تیز
دریا ہیں کہ دھرتی کی طرف دَوڑ پڑے ہیں
آہستہ و کم کم ہے مگر وقت کی رفتار
راتیں بھی مصیبت کی بڑی' دن بھی بڑے ہیں (۹)

سیلاب کے حوالے سے وحید احمد لکھتے ہیں:

تمام بستی اُجڑ گئی تھی
ہر ایک ذی روح بہہ گیا تھا
گزشتہ بستی تو اب قلم روئے آب تھی
جس میں اک درخت
اور اس سے لپٹا غلام حیدر ہی رہ گیا تھا (۱۰)

زلزلہ زمین کی سطح پر ابھرنے والا کوئی معمولی حادثہ نہیں بلکہ یہ کائنات کے سینے میں چھپی ایک گہری سانس ہے جو اچانک باہر آ نکلتی ہے۔ یہ وہ لمحہ ہے جہاں صدیوں سے خاموش چٹانیں بول اٹھتی ہیں اور انسان کے بنائے ہوئے تمام حساب کتاب لمحوں میں بکھر جاتے ہیں۔ جب زمین ہلتی ہے تو صرف اینٹ، پتھر اور لوہے کی دیواریں نہیں لرزتیں بلکہ انسان کے غرور، اس کے شہر اور اس کی دیواروں کو لرزا دیتی ہے۔ جب زمین کانپتی ہے تو صرف عمارتیں نہیں گرتیں بلکہ انسان کے اندر قائم وہ خاموش اعتماد بھی دراڑوں میں بکھر جاتا ہے جو وہ روزمرہ کی زندگی میں بے دھیانی سے اٹھائے پھرتا ہے۔ زلزلہ آتا ہے تو وقت تھم سا جاتا ہے، گھڑیاں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ سانسیں بے ترتیب ہونے لگتی ہیں اور آنکھوں میں خوف ابھر آتا ہے۔ زلزلے سے زندگی کی باقاعدگی متاثر ہوتی ہے اور سماجی و معاشی حوالے سے نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ زلزلے کے حوالے سے چند شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

خزاں کے عہد میں پتے شجر کو چھوڑ دیتے ہیں
ہمیشہ زلزلوں میں لوگ گھر کو چھوڑ دیتے ہیں (۱۱)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2

کہیں زیرِ زمیں بھونچال کی گونج آ رہی ہے
پرندے شہر کو بیدار کرتے جا رہے ہیں (۱۲)

اک زلزلے میں کوہ کی بنیاد ہل گئی
شہزادؔ مجھ کو پست لگیں سب بلندیاں (۱۳)

قدرتی آفات جیسے سیلاب، قحط، زلزلے اور خشک سالی انسانی زندگی کے بنیادی ستونوں کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔ یہ آفات محض قدرتی مظاہر نہیں بلکہ انسانی وجود اور سماجی ڈھانچے کے لیے آزمائش کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ سیلاب کی لپیٹ میں آنے والے دیہات میں کھیت، مکان اور روزگار سب بہہ جاتے ہیں اور انسان محض زندہ رہنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔ پانی کا یہ ہجوم زمین کے زرخیز ہونے کے دعوے کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے اور انسانی محنت کو برباد کر دیتا ہے۔ قحط بھی اسی طرح انسان کی برداشت اور زمین کے وسائل کے بیچ ایک آزمائش کی صورت میں آتا ہے۔ بارشوں کی کمی یا فصلوں کی تباہی انسانی رزق کے نظام کو متاثر کرتی ہے، مہنگائی بڑھاتی ہے اور معاشرت میں غربت کی دیوار کو بلند کر دیتی ہے۔ کسان، جو زمین کا سب سے وفادار وارث ہے، اپنی محنت کا صلہ نہیں پاتا اور قرض کے بوجھ تلے دب کر جسمانی اور روحانی دونوں لحاظ سے تھک جاتا ہے۔ قدرتی آفات کے اثرات صرف زمین اور پیداوار تک محدود نہیں رہتے بلکہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو چھو لیتے ہیں۔ جب سیلاب یا قحط آتا ہے تو لوگ اپنی زمین چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، شہر یا دیہات سے ہجرت کرتے ہیں، اور اپنی زندگی کی بنیادیں کھو دیتے ہیں۔ یہ ہجرت اکثر معاشی اور سماجی عدم مساوات کو بڑھا دیتی ہے کیونکہ کمزور طبقے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ سرمایہ دار طبقے اور ترقی یافتہ علاقے زیادہ محفوظ رہتے ہیں لیکن غربت میں پھنسے ہوئے لوگ فطرت کی اس طاقت کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح زلزلے اور خشک سالی بھی انسانی اعتماد اور امید پر حملہ کرتے ہیں۔ لوگ اپنی محنت اور وسائل کے ضائع ہونے پر مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور سماجی ڈھانچے میں بے چینی اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً:

سخت ہوتا جا رہا ہے زندگی کا امتحاں
چند خوابوں کی رعایت دے ہمیں عمرِ رواں (۱۴)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2
ماخذ تحقیقی مجلہ

دل میں اک خواب حسیں، ذہن میں اندوہِ معاش
اور دروازے پہ ایّام کی پیہم دستک (۱۵)

شکم کی آگ لیے پھر رہی ہے شہر بہ شہر
سگِ زمانہ ہیں، ہم کیا، ہماری ہجرت کیا (۱۶)

فضائی آلودگی انسانی ترقی کے نام پر پیدا شدہ بے ترتیب صنعتی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ فیکٹریاں، کیمیائی کارخانے اور بڑی صنعتیں اپنی پیداوار کے ساتھ ساتھ زہریلے دھوئیں اور کیمیائی مواد ہوا میں چھوڑ دیتی ہیں، جس سے فضا کی شفافیت دھندلی ہو جاتی ہے۔ ہر گلی، ہر شہر، ہر صنعتی علاقہ ایک چھوٹا سا دھواں بادل پیدا کرتا ہے جو زمین کی سانس کو بوجھل کر دیتا ہے۔ گاڑیوں کے دھوئیں اور فیکٹریوں کے کیمیائی دھوئیں ہوا میں شامل ہو کر انسانی زندگی کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔ شاعری میں یہ منظر ایک خاموش نوحے کی طرح ہے جہاں ہر سانس کے ساتھ انسان اپنی ہی پیدا کردہ تباہی کو محسوس کرتا ہے۔ آلودہ فضا نہ صرف انسانی صحت بلکہ زمین کی قدرتی توازن پر بھی اثر ڈالتی ہے۔ کیمیائی مواد اور دھوئیں کی شدت سورج کی روشنی کو کم کر دیتی ہے۔ موسموں کے توازن کو بگاڑتی ہے۔ پانی اور مٹی کے نظام کو بھی متاثر کرتی ہے۔ بچے، بوڑھے اور بیمار لوگ سب اس آلودگی کے براہِ راست شکار ہیں۔ شاعری اس حقیقت کو نہ صرف بیان کرتی ہیں بلکہ انسانی شعور کو بھی جگاتی ہے۔ فضائی آلودگی کے حوالے سے شعری مثالیں دیکھیے:

دھوئیں سے آسماں کا رنگ میلا ہوتا جاتا ہے
ہرے جنگل بدلتے جا رہے ہیں کارخانوں میں (۱۷)

ہواؤں کا بدن میلا ہوا ہے
دھواں زیرِ فلک پھیلا ہوا ہے (۱۸)

دیکھ اِس شہر کے مکانوں سے
گاڑیوں اور کارخانوں سے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

ایک دن میں دھواں جو اُٹھتا ہے
ایک طوفانِ ابرِ تیرہ ہے
یہ اگر عملِ کیمیائی سے
یا کسی حرفِ سیمیائی سے
شہر سارا اُجاڑ ہو جائے
کوئلے کا پہاڑ ہو جائے (۱۹)

زمین کا خاتمہ صرف درختوں کی کٹائی ہی سے نہیں ہے بلکہ ڈرِلنگ اور بلڈوزر کی گرجتی آوازیں فطرت کی خاموشی کو چیر دیتی ہیں اور زمین کی زندگی کو چھین لیتی ہیں۔ درخت جو کبھی چھاؤں، ہوا اور زمین کی خوشبو کا حصہ تھا اب ایک دھواں اور دھول میں بدل جاتا ہے اور مٹی کی زرخیزی جیسے انسانی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ ایک شاعر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ منظر ایک المیہ کی طرح ہے جہاں انسان کی بے اعتدالی اور ترقی کی ہوس نے زمین کی رحمت کو زخمی کر دیا ہے۔ بلڈوزر کی دھات زمین پر اتری تو محنت کش کسان کے خواب، پرندوں کے آشیانے اور زمین کی ہریالی سب کچھ مٹی میں ملا دیا گیا۔ یہ صرف ماحول کا نقصان نہیں بلکہ انسانی زندگی اور امیدوں کا بھی زوال ہے۔ ڈرلنگ کی ہر گہری کھدائی زمین کی رگوں کو پیوست کر دیتی ہے اور پانی کے ذخائر، فصلوں اور حیاتیاتی توازن پر اثر ڈالتی ہے۔ جب زمین کے سینے میں ڈرلنگ کے سوراخ اور بلڈوزر کی کھدائی کے نشان رہ جاتے ہیں تو یہ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ انسان کی غیر محتاط سرگرمیاں صرف موجودہ نسل کے لیے نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی خطرہ ہیں۔ شاعر اس منظر کو صرف ماحولیاتی المیے کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ ایک اخلاقی اور انسانی سبق کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ زمین کی حفاظت اور درختوں کی قدر انسانی زندگی اور معاشرت کی بنیاد ہے۔ مثال کے طور پر:

اترتے ہی چلے جاتے ہو دوزخ میں
کنوئیں سے تیل پانی کی ضرورت تھی
مگر تم نے چڑیلیں آگ کی اس سے نکالیں
اور مرے زیتون کے باغات منٹوں میں جلا ڈالے (۲۰)

ذی شان ساحل صنعتی اور مشینی تہذیب کی اجارہ داری کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2
ماخذ تحقیقی مجلہ

اک دوپہر بہار تھی پٹری پہ ریل کی
انجن نے آکے پھول ہمارے کچل دیے
سوئے ہوئے گھاس میں تارے، کچل دیے
تتلی کے پَر، دلوں کے کنارے کچل دیے
ایسا لگا کہ گیت بھی سارے کچل دیے
لیکن کسی کو چیخ سنائی نہ دے سکی
تصویر زندگی کی دکھائی نہ دے سکی (۲۱)

اردو شاعری کی روایت میں زمین محض مٹی کا ٹکڑا نہیں بلکہ ماں، پناہ، رزق اور شناخت کی علامت رہی ہے۔ کلاسیکی شاعری میں کھیت، بارش، دریا اور موسم ایک فطری توازن کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ وہاں زمین زرخیز ہے، موسم اپنے وقت پر آتے ہیں اور رزق اگر کم بھی ہو تو فطرت دشمن نہیں بنتی۔ مگر جیسے جیسے انسان نے فطرت کے ساتھ اپنے تعلق میں خود غرضی، استحصال اور بے اعتدالی کو شامل کیا۔ شاعری کے لہجے میں بھی ایک ہلکی سی تشویش اور ایک انجانا سا خوف در آیا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ادب محض جمالیات نہیں رہتا بلکہ پیش گوئی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اردو شاعری نے اس بحران کو فکری سطح پر جذب کر کے اس کی گہرائی کو محسوس کر کے ایک تہذیبی المیے کے طور پر بیان کیا اور اس کے حسنِ اظہار کو انسانی کرب سے جوڑا۔ اب شاعری صرف جمالیاتی تسکین کا ذریعہ نہیں رہی بلکہ اس نے احتجاج، شعور اور انسانی وقار کی بازیافت کا ذریعہ بننے کا فریضہ بھی سنبھال لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی شاعری میں زمین کی پیاس، کسان کی خاموشی اور معاشرتی ناانصافی کی بازگشت ایک ساتھ سنائی دیتی ہے۔ یہ شاعری محض ادب نہیں بلکہ ایک ایسی گواہی ہے جو وقت کے جبر، انسان کی بے بسی اور زمین کے زوال کی داستان سناتی ہے۔ شاید یہی وہ مرحلہ ہے جہاں شاعری زمین کی آواز بن گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سجاد بلوچ۔ رات کی راہداری میں۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۳ء۔ ص ۱۰۶
۲۔ انور مسعود۔ میلی میلی دھوپ۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء۔ ص ۷۱
۳۔ سعید دوشی۔ زمین تخلیق کرنی ہے۔ راولپنڈی: ہم قلم پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔ ص ۴
۴۔ روش ندیم۔ ٹشو پیپر پر لکھی نظمیں۔ راولپنڈی: حرف اکادمی، ۲۰۰۱ء۔ ص ۱۵

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 3, (May to June 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-III)urdu-2
ماخذ تحقیقی مجلہ

۵۔ سجاد بلوچ۔ رات کی راہداری میں۔ ص ۷۰

۶۔ نصیر احمد ناصر۔ عراپچی سو گیا ہے۔ لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔ ص ۵۴

۷۔ انور مسعود۔ میلی میلی دھوپ۔ ص ۶۰-۵۹

۸۔ نصیر احمد ناصر۔ عراپچی سو گیا ہے۔ ص ۶۷

۹۔ انور مسعود۔ اِک دریچہ، اِک باغ۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء۔ ص ۱۵۲

۱۰۔ وحید احمد۔ شفافیاں۔ لاہور: ماورا پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔ ص ۱۰۲

۱۱۔ محمد اسلم، مولوی۔ آیئے شام ہونے والی ہے۔ لاہور: معروف پبلشرز، ۲۰۰۷ء۔ ص ۱۰۵

۱۲۔ اشرف یوسفی۔ خواب تہِ آب۔ فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۸ء۔ ص ۴۱

۱۳۔ شہزاد احمد۔ ادھ کھلا دریچہ۔ لاہور: علی برادرز، ۱۹۷۷ء۔ ص ۹۱

۱۴۔ حمیدہ شاہین۔ دستک۔ لاہور: روز پبلیکیشنز، ۲۰۰۵ء۔ ص ۹۱

۱۵۔ افتخار عارف۔ کتاب دل و دنیا۔ کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۱۲ء۔ ص ۳

۱۶۔ خورشید رضوی۔ امکان۔ لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔ ص ۳۲

۱۷۔ احمد مشتاق۔ کلیات احمد مشتاق۔ الٰہ آباد: شب خون کتاب گھر، ۲۰۰۴ء۔ ص ۱۸۸

۱۸۔ یوسف خالد۔ ہوا کو بات کرنے دیں۔ لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔ ص ۹۹

۱۹۔ انور مسعود۔ میلی میلی دھوپ۔ ص ۸۳

۲۰۔ علی محمد فرشی۔ غاشیہ۔ اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۴ء۔ ص ۸۴

۲۱۔ ذی شان ساحل۔ ساری نظمیں۔ کراچی: آج پبلشرز، ۲۰۱۱ء۔ ص ۵۰۰-۴۹۹